



Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

نور النساء

اقراء عزيز

نور النساء



از قلم اقراء عزيز

All Rights Reserved

Copyright: Iqra Aziz (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

نور النساء کے تمام جملہ حقوق لکھاری "اقراء عزیز" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔



زندگی ہر دن نہیں بلکہ ہر پل رنگ بدلتی ہے۔ کبھی اپنے تمام تر خوبصورت رنگوں سے روشناس کرواتی ہے تو کبھی وہ رنگ دکھاتی ہے جو انسان کبھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔ مگر اب ایک گہری راز بھری چپ ہمیشہ اس کے چہرے پر چھائی رہتی جیسے خاموشی اس کے چہرے کا بہت اہم حصہ ہو۔

آنکھوں میں تا حدِ نظر سوچ کے دائرے ٹوٹتے پھیلتے اپنا گھر بناتے رہتے۔ بہت کم لوگوں کو علم ہو پاتا کہ اب مزاج کے سمندر کی تہہ میں کون سا نیا طوفان کروٹیں لینے کو بے تاب ہے۔

وہ ایک معصوم اور نرم دل لڑکی تھی جو اکیس سال کی عمر تک اپنے والدین کے گھر سب کے لیے ان کی چھوٹی سی نور تھی۔ بائیس سال کی ہوتے ہی کب وہ سُسرال میں نور النساء بن کر آ گئی۔ یہاں سے ہی اس کی زندگی کی اصل کہانی کا آغاز ہوا تھا اور شاید اس کے صبر کا بھی۔

اس کا نام نور النساء تھا۔ نساء ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی ”عورت عورتیں“ ہے۔ اللہ نے

قرآن میں سورۃ النساء نازل فرمائی اور کتنی خوبصورتی سے اپنے بندوں کو اس سورہ کے ذریعہ اسلام میں عورت کا مقام بتایا۔

وہ اکثر اپنے نام پر غور کرتی تو یہ پہلو اسے سب سے خوبصورت لگتا کہ ”نساء“ اس کے نام کا حصہ ہے۔

ہر لڑکی کی طرح اس نے بھی کچھ خواب دیکھے تھے۔

کچھ مکمل ہونے کی چاہت کے ساتھ کچھ ادھورے خواب۔ اچھے نمبروں سے گریجویشن مکمل ہونے کے بعد جب اس نے جاب کرنے کی خواہش ظاہر کی تو ان ہی دنوں ہمایوں آفریدی کا رشتہ اس کے لیے آیا جو اس کے ابا کے کزن کا بیٹا تھا۔

لڑکا خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور جرمنی میں بہت اچھی نوکری بھی تھی۔ ہر وہ خوبی جو لڑکی والے اپنی بیٹی کے لیے ایک بہتر ہمسفر منتخب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ اس انسان میں موجود تھی۔

لہذا اماں اور ابا دل و جان سے اس رشتے کے لیے راضی تھے۔ اس نے بھی جاب کی خواہش کو ایک طرف رکھ کے بہت سی امیدوں کے سنگ ہمایوں کے ساتھ زندگی کا ایک نیا سفر شروع کیا تھا۔

وہ دلہن کے روپ میں بہت حسین اور معصوم لگ رہی تھی۔ ہمایوں اور اس کی جوڑی واقعی بہت بچ رہی تھی۔

سُسرال میں قدم دھرتے ہی وہ اپنی پُر خلوص اور سادہ طبیعت کی وجہ سے سب کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہونے لگی تھی۔

”تم بہت اچھی ہو نور! میں خوش قسمت ہوں جو مجھے تم جیسی خوبصورت اور ذہین بیوی ملی۔“
ہمایوں نے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بھاری آواز اور نرم لہجے میں کہا۔
نور تو جب اس کی آواز سنتی تو کئی لمحوں تک اس کی آواز کے سحر میں ہی کھوئی رہتی۔ اس کی آواز بہت خوبصورت تھی۔

”شکریہ ہمایوں! آپ بھی بہت اچھے ہیں۔“

وہ بھی خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

شروع کے دنوں میں اسے بھی سُسرال سے وہی محبت، وہی مان ملا جو ہر من چاہی بیوی یا بہو کے حصے میں آتا ہے۔

مگر وقت گزرتے کب دیر لگتی ہے۔ وقت کا پہیہ گھومتا ہے تو قسمت بھی اس کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

ہمایوں کی نوکری جرمنی میں تھی۔ لہذا اس کی چھٹیاں جیسے ہی ختم ہوئیں، اسے واپس جرمنی جانا پڑا۔ وہ جو اس کے ساتھ جانے کے خواب سجائے بیٹھی تھی۔ وہ لڑکی جسے ہمیشہ سے باہر ملک جانے کا، گھومنے پھرنے کا شوق تھا۔

وہ اب صرف گھر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ ہمایوں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار نہیں

کیا تھا۔ مگر اس کا کہنا تھا کہ نور النساء کا ویزا بننے میں اور اسے باہر لے جانے میں ابھی اسے کچھ وقت درکار ہے۔ لہذا اسے چند ماہ کے لیے یہیں اس کے بغیر رہنا ہوگا۔

”تم پریشان مت ہو، میں جلد واپس آؤں گا اور پھر تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“
ہمایوں کے یہ الفاظ شاید بہت عام سے تھے۔ مگر اس کے دامن میں امید کے جگنو بھر گئے تھے۔ کیونکہ وہ ہمایوں کے الفاظ تھے۔

”میں آپ کا انتظار کروں گی۔“

وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

ایئرپورٹ پہ اپنی فلائٹ کا اعلان ہونے پر ہمایوں نے ایک پل کے لیے پیچھے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

ان سیاہ آنکھوں میں سمندر اٹھنے کو بے تاب تھا۔

وہ تا دیر ان نظروں میں دیکھ نہیں سکا ورنہ شاید کمزور پڑ جاتا۔ اور پھر اس نے اپنے قدم آگے کی جانب بڑھا دیے۔

ایئرپورٹ پہ ہنوز فلائٹ کا اعلان ہو رہا تھا۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔

مگر دور کھڑی نور النساء کا دل اسے خود سے دور جاتے دیکھ کے جیسے خالی سا ہو گیا تھا۔

ہمایوں کے جانے کے بعد کچھ دن تو اس کے لیے بہت مشکل گزرے۔ وہ جو رات کی تنہائی سے خوف محسوس کرتی تھی۔ وہ جو ہمیشہ اپنی آپی کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سوتی تھی۔ اس کی بڑی بہن کی شادی کے بعد تنہائی کے ڈر سے چند دن اماں کے ساتھ سوتی رہی تھی، پھر کچھ عرصے بعد جا کر اماں کے سمجھانے پر اسے اپنے کمرے میں تنہا سونے کی عادت ہوئی تھی۔

آج اسے ایک بار پھر یہ تنہائی خوفزدہ کر رہی تھی۔

وہ رات تو پھر جیسے بھی کر کے گزر ہی گئی۔ اب تو یہ روز کا معمول بن گیا تھا۔ سُسرال میں اس کے ساس سُسر کے علاوہ اس کی ایک نند ماہرہ تھی۔ جو شادی شدہ تھی۔ وہ کبھی کبھار چکر لگا لیتی تو ان دونوں کی کچھ گپ شپ ہو جاتی اور اس کا دل بہل جاتا۔ ورنہ وہ ساس کی اجازت لے کر اماں کے گھر چلی جایا کرتی تھی۔ مگر پھر بھی زندگی میں ایک کمی سی محسوس ہوتی تھی۔

ہمایوں اسے روزانہ نہ سہی مگر ہر ایک دن چھوڑ کر فون ضرور کرتا تھا۔

کبھی کبھی وہ سوچتی کہ کاش یہ خط و کتابت کا زمانہ ہوتا تو وہ ہمایوں کو لمبے لمبے خط لکھا کرتی اور اس خط میں اپنی کیفیت بیان کیا کرتی کہ وہ اس تنہائی سے کتنی بے زار ہے۔ اسے یہ تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ یہی بات وہ اس سے کال یا میسج پر نہیں کہا کرتی تھی۔

ایسی بہت سی باتیں سوچتے ہوئے وہ ہر رات اپنے منفی خیالات سے لڑتے ہوئے سونے کی

کوشش کیا کرتی۔

چھ ماہ گزر گئے اور بلاخر آج ہمایوں آنے والا تھا۔ وہ جو تنہائی کا سفر کرتے کرتے ان چند ماہ میں ہی تھک چکی تھی۔

اس کے آنے کی خبر سن کے خوشی سے کھل اُٹھی تھی۔

ہمایوں کے آنے پر نور النساء کے گھر والے بھی پھل اور مٹھائی کی ٹوکریاں لیے اپنی خوشی کا اظہار کرنے ان کے گھر چلے آئے تھے۔

گھر میں ایک افراتفری سی مچ گئی تھی۔ وہ صبح سے کچن میں کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی ہمایوں کو بریانی بہت پسند ہے۔ ویسے وہ اسے فون پہ اکثر بتایا کرتا تھا کہ دیسی کھانے تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر وہاں خود بھی بنا لیتا ہے کیونکہ وہ اور اس کے دوست ایک ہی اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ مگر وہاں نور النساء کے ہاتھ کے بنائے گئے کھانوں جیسا ذائقہ نہیں ہوتا۔

”ارے بہو! صبح سے کام میں لگی ہو۔ جاؤ اب جا کر خود بھی تیار ہو جاؤ۔“

سلطانہ بیگم نرمی سے مسکراتے ہوئے بولیں۔ وہ روایتی ساسوں کی طرح نہیں تھیں۔ وہ اس

بات کو سمجھتی تھیں کہ اپنے شوہر کے بغیر ان لامتناہی فکر مند سوچوں کے ساتھ تنہا رہنا اس کے لیے کس قدر مشکل تھا۔

”جی امی!“

جواباً وہ بھی دھیرے سے سر ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

وہ جو صبح سے ہمایوں کے لیے تیاری کر رہی تھی۔ اس کے لیے اس کی پسند کے کھانے بنا رہی تھی۔ رات کو جب کھانے کے بعد فراغت حاصل ہوتے ہی تھک کر کمرے میں آئی تو اس کے ماتھے پہ ایک شکن تک نہ تھی۔

”کیا خوب مخلوق ہوتی ہے یہ عورت بھی۔ جس سے محبت کرتی ہے اس کے لیے ان تھک محنت کرتی ہے اور اگر صبر اور شکر کرنے والی ہو تو پھر شکوہ تک نہیں کرتی۔“

ہمایوں نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پُر خلوص اور دھیمے لہجے میں بولا۔ اس کے الفاظ آج پھر نور النساء کا دل جیت گئے تھے۔ پھر وہ اس سے کیسے شکوہ کرتی؟

”ہاں! اگر عورت اپنے شوہر کے لیے دل سے کچھ کرے تو شوہر کے اچھے اور حوصلہ افزا الفاظ ہی اس کا دل جیتنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔“

نور النساء اپنائیت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے بے اختیار مسکرائی۔ شاید بہت عرصے بعد وہ یوں مسکرائی تھی۔

”ہاں مگر اس قدر محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے ماہ بعد تمہیں دیکھا ہے۔ کچھ دیر

یہیں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرتی رہو۔“

ہمایوں کی ایک نئی فرمائش پر وہ ایک بار پھر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

”او کے جناب!“

مگر کسے معلوم تھا کہ یہ جو اتنے ماہ تنہائی کی قید کاٹی ہے وہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس پر خلوص لڑکی کے لیے ابھی اور امتحان باقی تھے۔

دل کو رہ رہ کے یہ اندیشے ڈرانے لگ جائیں
واپسی میں اسے ممکن ہے زمانے لگ جائیں

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وقت ایک بار پھر تیز رفتاری سے گزر گیا یا شاید ایسا نور النساء کو لگتا تھا۔ اس بار ہمایوں جرمنی واپس گیا تو اس کا رابطہ نور النساء سے بہت کم ہو گیا۔ وہ پہلے کی طرح ہر ایک دن کے بعد فون نہیں کرتا تھا۔

نور النساء کے دل میں اب کئی طرح کے خدشات اور اندیشے جنم لینے لگے۔ ناجانے ہمایوں وہاں کسی غیر قانونی کام یا بری عادتوں میں نہ لگ جائے۔ کہیں وہ کسی قسم کے جرائم میں

ملوث نہ ہو جائے؟

اس طرح کی بہت سی پریشان کن باتیں سوچتے ہوئے اس کا دل ڈوبنے لگتا جو اس نے اکثر باہر ملک جانے والے مردوں کے متعلق اپنے ارد گرد کے لوگوں سے سن رکھی تھیں۔ ہمایوں کو گئے ہوئے اب ایک سال گزرنے والا تھا۔ اپنی مایوس کن سوچوں سے تنگ آ کر نور النساء نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے ایک پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ شروع کر دی تھی۔ اسے اس اسکول میں پڑھاتے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے۔

پھر وہ وقت بھی آگیا جب اسے ایک بار پھر ہمایوں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی مگر وہ نہیں آیا۔ ان کے یہاں ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ وہ بہت خوبصورت بچہ تھا۔

”ماشاء اللہ! ہمارا پوتا تو بہت پیارا ہے۔“ سلطانہ بیگم محبت بھری نظروں سے اپنے پوتے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

مگر وہ اپنی ساس کی اس بات پہ ٹھیک سے مسکرا بھی نہ سکی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمایوں اور وہ اس خوشی کو ایک ساتھ محسوس کریں مگر خیر تقدیر کو جو منظور تھا۔ بہر حال اب وہ اپنے بیٹے کو بھرپور محبت اور توجہ دینا چاہتی تھی۔

وہ جب اپنے بچے کو دیکھتی تو مسکراتے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیتی اور اسے امید دلاتی کہ اس کے بابا جلد آئیں گے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو جدائی اور تکلیف اس نے برداشت کی ہے وہ اس کی اولاد کے حصے میں بھی آئے۔

اس دن جب ہمایوں نے ویڈیو کال کی تو آریان کو پہلی بار دیکھ کے اس کی آنکھیں فرطِ جذبات سے نم ہو گئیں۔ شاید وہ شکر کے آنسو تھے۔

”میرا بیٹا تو بہت خوبصورت ہے ماشاء اللہ! میرا آریان آفریدی۔“

وہ نم آنکھوں سمیت اداسی سے مسکرایا۔

”ہوں۔“

وہ فقط ایک لفظ بولی۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو اور ہونا بھی چاہیے۔“

ہمایوں نے اس کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔ چند لمحے ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھائی رہی۔

”مجھے معاف کر دینا نور! میں ایسے وقت میں تمہارے ساتھ نہیں تھا، جب تمہیں میری سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اگر ہماری کمپنی کا بہت بڑا نقصان نہ ہوا ہوتا اور باس مجھے یہاں رکنے پر شدید اصرار نہ کرتے تو میں ایک پل کے لیے بھی یہاں نہ ٹھہرتا۔“

وہ لب بھینچتے ہوئے ملال بھرے لہجے میں بولا۔

اب کے نور النساء نے بغور اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا دکھ تھا۔ سیاہ بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ ان سے دور رہ کر خوش وہ بھی نہیں تھا۔ مگر وہ ان کے بہتر مستقبل کے لیے وہاں موجود تھا۔ ورنہ اپنے بیٹے کو پہلی بار دیکھنے

کی اور اسے اپنی گود میں اٹھانے کی خواہش کسے نہیں ہوگی؟
 ”ہمایوں! آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی مجبوری سمجھ سکتی ہوں۔ بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

وہ دھیمے لہجے میں کہتی شاید اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔ چند ایک باتوں کے بعد الوداعی کلمات ادا کرتے ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

اس کی ساس اب اکثر بیمار رہنے لگی تھیں۔ لہذا وہ اپنے گھر کے سارے کام نیٹا کر آریان کی ضرورت کی ہر شے لینے مارکیٹ بھی خود ہی جاتی تھی۔

ایک دن آریان کو شدید بخار نے آں گھیرا تھا۔ وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ کچھ سمجھ نہ آیا مگر ماں کی ممتا نے اسے رات کے اُس پہر اکیلے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے اپنے بڑے بھائی کام کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے۔ ورنہ وہ انہیں فون کر کے بلا لیتی۔ ساس دوائی کھا کر سو گئی تھیں۔ سو انہیں اٹھانا اسے کچھ مناسب نہیں لگا۔

یہ شکر تھا کہ اسے گاڑی چلانے آتی تھی۔ اسلام آباد کی سرمئی سڑکیں اس وقت قدرے سنسان تھیں۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو سامنے کا منظر بار بار دھندلا رہے تھے۔
 ”یا اللہ! میری مدد فرما۔“

وہ خود ہی ڈرائیو کر کے ہسپتال پہنچی اور فوری طور پہ آریان کا چیک اپ کروایا۔
 ”بدلتے موسم کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔ بچے کی صحت کا خیال رکھیں ان شاء اللہ جلد ٹھیک

ہو جائے گا۔“

ڈاکٹر نے اسے ہدایت کرتے ہوئے پیش وارانہ انداز میں کہا۔
اس وقت اسے ہمایوں کی کمی ایک بار پھر شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

آج بہت دنوں بعد وہ اپنی اماں کے پاس چند دن رہنے کے لیے آئی تھی۔
”میں تھک گئی ہوں اماں! تنہائی کے اس راستے میں سفر کرتے کرتے میں تھک گئی۔“
وہ اماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ اس کے لہجے میں شدید دکھ تھا۔
زندگی کے اس سفر میں اپنے شریک حیات کا ہاتھ تھامنے کے بعد بھی اسے لگتا تھا کہ وہ بالکل
تنہا ہے۔
BEING THE STRING OF YOUR KITE

”نور! زندگی سے ایسے مایوس نہیں ہوتے۔ تم تو بہت اچھی اور بہادر بیٹی ہو میری۔“
اماں محبت سے اس کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سنوارتے ہوئے بولیں۔
”میں صرف ایک اچھی بیٹی ہی ہوں شاید۔ ایک اچھی عورت، بیوی اور ماں نہیں۔“
”یہ کیسی باتیں کر رہی ہو نور، کیا تمہیں ہمایوں نے کبھی ایسا کچھ کہا ہے؟“
اس کے بالوں میں حرکت کرتی اماں کی انگلیاں ایک دم ٹھہر گئیں۔ وہ فکر مند لہجے میں پوچھنے

لگیں۔

”نہیں اماں! یہی تو مسئلہ ہے وہ کچھ کہتے نہیں۔ اب تو ہمارا رابطہ بھی کم ہوتا ہے۔ کاش اماں آپ نے ہمایوں کی باہر ملک نوکری دیکھ کے میری شادی نہ کروائی ہوتی۔ کاش مجھے آپ نے اس گھر کی نور ہی رہنے دیا ہوتا۔ اپنے سُسرال کی نور النساء نہ بننے دیا ہوتا، جس کے جسم میں جان تو ہے مگر سوچوں کے دلدل میں دھنستے ہوئے اور تنہائی کی مسافت طے کرتے ہوئے جس کا دل مردہ ہو چکا ہے۔“

وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جماتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔ اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ مگر آنکھ سے نکلتے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ جس دل کو وہ مردہ کہہ رہی تھی، اس میں ابھی جان باقی تھی۔ بس وہ دل دکھی تھا، تکلیف میں تھا۔ اس میں دکھ درد محسوس کرنے کی صلاحیت تھی۔ ابھی تو یہ آنسو اس کے دل کا درد ظاہر کرتے ہوئے آنکھوں کے ذریعہ باہر نکل رہے تھے۔

”بس میری بیٹی! صبر کرو۔ اللہ صبر کا پھل ضرور دیتا ہے۔ کل تک تم تنہا تھی، آج تمہارے پاس آریان ہے اور دیکھنا کل کو تمہارا شوہر بھی واپس لوٹ آئے گا۔ اور ہو سکتا ہے اب کی بار وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے یا مستقل طور پہ یہیں رہ جائے۔ بے شک اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“

اماں کی نرم آواز اور شفیق لہجہ اس کے دل پہ اثر انداز ہو رہے تھے۔

دھیرے دھیرے اس پہ نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا۔ اور پھر اتنے دنوں بعد نور النساء اپنی تمام سوچوں سے فرار حاصل کرتے ہوئے اپنی ماں کی گود میں پُر سکون نیند سوئی تھی۔

وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو ہمیشہ اپنوں کے ارد گرد رہنا پسند کرتی ہیں۔ وہ تنہائی پسند کبھی نہیں تھی۔ البتہ ہمایوں کی غیر موجودگی نے اب اسے کافی حد تک تنہا پسند بنادیا تھا۔ مگر اس دن وہ کافی عرصے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ ہمایوں کے آنے کی خبر نے جیسے اس کے اندر ایک بار پھر نئی روح پھونک دی تھی۔

”میں دو دن بعد کی فلائٹ سے واپس پاکستان آ رہا ہوں۔“ ہمایوں نے پُر جوش انداز میں کہا۔

”میری دعا ہے کہ آپ خیریت سے واپس آئیں۔“

وہ اس کے اس انداز پر دل سے مسکراتے ہوئے بولی۔

وہ تو ہر پل اس کے لیے دعا گو تھی۔ کون سا ایسا وقت تھا جب وہ اس کے لیے دل سے دعا نہیں کرتی تھی۔

”مجھے خوشی ہے کہ بہت جلد میں اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا۔ میں تم سب کو

بہت یاد کرتا ہوں۔“

وہ اپنے منہ پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے جیسے اپنے جذبات پر کنٹرول کر رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس کے آنے کی خبر سن کے دیوانوں کی طرح خوش ہو جایا کرتی تھی۔ مگر ناجانے کیوں جب سے ہمایوں سے بات ہوئی تھی اسے شدید بے چینی نے آگھیرا تھا۔ اور کچھ دیر بعد اس کے موبائل پہ آنے والے کسی انجان نمبر سے اس ایک میسج اور ان تصویروں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس کے یہ اندیشے بے معنی نہیں تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس پیغام کو دیکھ رہی تھی۔

”ڈیر نور النساء! بس ان تصویروں کو غور سے دیکھو۔ تمہیں ہمایوں آفریدی کے متعلق سب معلوم ہو جائے گا اور اس کے یہاں برلن میں رہنے کی خاص وجہ بھی۔“

ناجانے وہ کتنی بار یہ پیغام پڑھ چکی تھی۔ پھر وہ ان تصویروں کو دیکھنے لگی۔ جس میں ایک شخص کے بہت نزدیک ایک بہت ماڈرن قسم کی لڑکی کھڑی تھی۔ اور وہ شخص کوئی اور نہیں اس کا شوہر ہمایوں تھا۔ مگر وہ لڑکی کون تھی؟ ان دونوں کی ساتھ اور بھی بہت سی تصویریں تھیں جس میں وہ قریب نظر آرہے تھے۔ جنہیں دیکھنے کی اس میں مزید ہمت نہیں تھی۔

وہ چند لمحوں تک خالی خالی نگاہوں سے اپنے موبائل کی اسکرین کو تنکے لگی۔ پھر اسے بند کر کے ایک جھٹکے سے بیڈ پہ اچھال دیا۔

”نہیں۔۔ میرا ہمایوں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

وہ ابھی تک بے یقین تھی۔ مگر اب آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ بکھرے بال اور ڈھیلے ڈھالے لباس میں اس کا حلیہ بے ترتیب تھا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔

”کیا وہ اس لیے چھوڑ کر گیا تھا مجھے، کیا کسی دوسری عورت کے لیے؟ مگر شاید میں ہی پاگل تھی جو سمجھتی تھی کہ میرا ہمایوں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے شدید دکھ اور اذیت سے سوچ رہی تھی۔ ”نور النساء ہمایوں! کیوں اب کیا ہوا؟ بہت شوق تھا نا تمہیں آزاد گھومنے، جا ب کرنے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا۔ تو اب دیکھو، ایک مرد والی تمام ذمہ داریاں تم نبھار ہی ہو۔ کسی ایسے مرد کی طرح جو روزی کے لیے باہر ملک چلا جاتا ہے مگر پھر وہاں تنہا رہ جاتا ہے۔ عورت ہو کر جینا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جتنا مشکل ایک تنہا عورت کا مرد اور عورت دونوں کے حصے کی ذمہ داریاں نبھانا ہوتا ہے۔“

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔

اس لمحے وہ اذیت کی آخری حد پہ تھی۔

سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس ستم پر وہ کس کو قصور وار ٹھہراتی، اپنے گھر والوں کو یا خود کو، یا پھر اسے جو یہاں موجود ہی نہیں تھا؟

میرا نام ہمایوں آفریدی ہے۔ میں وہ انسان ہوں جس پہ قسمت ہمیشہ مہربان رہی۔ میری ہر خواہش اور ہر خواب پورا ہوا۔ ہم دو ہی بہن بھائی تھے۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔ محبت کرنے والے والدین اور ایک چھوٹی بہن۔

میرا ہمیشہ سے خواب تھا کہ میں جرمنی میں تعلیم حاصل کروں۔ کیونکہ میرا ایک قریبی دوست بھی تعلیم حاصل کرنے جرمنی گیا تھا۔

ایک بہترین تعلیمی ریکارڈ ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے جرمنی کے شہر برلن کی ایک مشہور و معروف کمپنی میں بہترین عہدے پر نوکری بھی مل گئی تھی۔
برلن وفاقی جمہوریہ جرمنی کا دارالحکومت اور اس کی ۱۶ ریاستوں میں سے ایک ہے۔ یہ شمال مشرقی جرمنی میں برلن - براندین بورگ شہری خطے میں واقع ہے۔ چونتیس لاکھ کی آبادی کے ساتھ یہ ملک کا سب سے بڑا اور یورپی اتحاد کا دوسرا سب سے زیادہ آبادی والا شہر ہے۔
ایک اچھی فیملی، باہر ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک بہترین جاب۔ بس شاید لوگوں کی نظر میں یہی ہوتا ہے نا ایک اچھا لائف سٹائل؟

مگر میری زندگی مزید خوبصورت تب ہوئی جب میری زندگی میں نور النساء خلیل شامل ہوئی۔ وہ میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی۔ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب

سیرت بھی تھی۔

ہماری شادی کوئی شدید قسم کی محبت کے بعد نہیں ہوئی۔ بس میں نے اسے ایک بار کسی عزیز کی شادی میں سرسری طور پہ دیکھا تھا۔ اس کے باوجود یہ مکمل طور پہ ایک اریخ میرج تھی۔ مگر اس سے میرا نکاح طے ہونے کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ میری بیوی کی حیثیت سے میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی وہی ہوگی۔

شادی کے بعد نور النساء کے ساتھ میں بہت خوش تھا۔

مگر جیسے ہی میری چھٹیاں ختم ہوئیں اور میرے برلن واپس جانے کا وقت قریب آیا، تب مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اب میں صرف ایک بیٹا نہیں بلکہ ایک شوہر بھی ہوں۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے والدین کے لیے بھی میری دوری برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ مگر میری ضد اور شوق کے آگے انہوں نے بخوشی اپنی رضامندی دے دی تھی۔ والدین تو ہمیشہ سے اپنی اولاد کے لیے قربانیاں دیتے آئے ہیں۔ یہ تو پھر اولاد ہی ہے جو چاہ کر بھی ان قربانیوں کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

میرے والدین نے بھی میری خوشی اور کامیابی کے لیے صبر کر لیا تھا۔ مگر نور النساء کو میری زندگی اور اس گھر میں آئے ہوئے ابھی اتنا وقت بھی نہیں گزرا۔ وہ اس سارے عرصے میں میرے بغیر تنہا کیسے رہے گی؟

یہ بات مجھے مسلسل پریشان کر رہی تھی۔ مگر مجھے برلن میں ایک ضروری کام تھا۔ میرے پاس

مجھے فوری طور پہ وہاں بلا رہے تھے۔ نور النساء کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے پہلے مجھے اس کا ویزا بنوانا ضروری تھا اور اس کے لیے دوسرے ضروری ڈاکومنٹس کی ضرورت پڑتی۔ ان سب میں کافی وقت لگ جاتا اور میرا اس وقت جانا بے حد ضروری تھا۔ لہذا میں نے اسے یہ امید دلائی کہ میں بہت جلد اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

برلن جانے کے بعد میں اپنے کام میں اس قدر مصروف ہو گیا کہ میں کچھ وقت نکال کر نور النساء کو فون ضرور کرتا تھا، مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ میں یہ بات بھولتا جا رہا تھا کہ اپنی بیوی کو یہاں آنے کی جو امید میں نے دلائی ہے اس اُمید کو یقین میں بھی مجھے ہی بدلنا تھا۔ یہاں میں اور میرا دوست واصف ایک ہی کمپنی میں کام کرتے تھے، اور اسی کمپنی میں ہمارے ساتھ نیلم بھی کام کرتی تھی جو واصف کی منیجر تھی اور جرمنی میں ہی رہتی تھی۔ میں وقت گزرنے کے ساتھ نیلم کی اپنی ذات میں دن بہ دن بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ رہا تھا۔ وہ اکثر مجھ سے متاثر نظر آتی تھی۔ مگر جو خیال میرے ذہن میں آ رہا تھا اسے میں سوچتے ہی جھٹلادیا کرتا تھا۔

اور پھر ایک دن وہ ہوا جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔
”میں تم سے محبت کرتی ہوں ہمایوں!“

نیلم میرے سامنے کھڑی نڈر انداز میں کہہ رہی تھی۔

اس کے یوں براہِ راست اظہارِ محبت کرنے پر میں لمحے بھر کے لیے ساکت رہ گیا۔ مگر اگلے

ہی پل میں نے غصے سے اپنے لب بھینچ لیے۔

”تم۔۔ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو نیلم؟ تم جانتی بھی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو؟“

میں شدید غصے سے بولا۔ غصے سے میری آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مجھے بہت کم ہی غصہ آتا تھا مگر جب آتا تھا تو اسے کنٹرول کرنا میرے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔

”ہاں میں جانتی ہوں اور میں اپنے ہوش و حواس میں یہ بات کہہ رہی ہوں۔ میں آج سے نہیں تب سے تمہیں پسند کرتی ہوں جب سے ہم نے اس کمپنی میں ساتھ کام کرنا شروع کیا تھا، مگر جب واصف نے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میرے گھر والوں نے اس رشتے لے لیے ہاں کر دی۔“

وہ ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے بولی۔

”مگر اب تم واصف کی منگیتر ہو۔ تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اور میں ایک شادی شدہ مرد ہوں۔ اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت کا اظہار محبت سننا بھی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔“

میں قدرے سخت لہجے میں بولا۔

”مگر میں صرف تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ہمایوں!“ وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

”مس نیلم! میں نے کہا نا کہ تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ آئندہ میرے سامنے یہ بات

دوبارہ مت کہنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔“

میں جب بولا تو میرا لہجہ بے تاثر تھا۔ اور پھر میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد اگلے دن میرے سر میں شدید درد تھا۔ لہذا اس دن میں کام پر نہیں گیا، اور جیسے ہی مجھے دوبارہ چھٹیاں ملیں۔ میں چند دن کے لیے پاکستان آ گیا تھا۔ اب کی بار میرے والدین کے ساتھ ساتھ نور النساء بھی میری شدت سے منتظر تھی۔ مجھے وہ پہلے سے قدرے کمزور لگی۔ امی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ صبح سے میرے لیے تیاری میں لگی ہوئی تھی۔

وہ صبح سے کچن میں ایسے لگی ہوئی تھی۔ جیسے میں پاکستان صرف اور صرف کھانے کے لیے آیا ہوں۔ اور یہ بات میں نے اس سے کہہ بھی دی تھی۔

”نور! تمہیں کیا لگتا ہے میں صرف یہاں کھانے کے لیے آیا ہوں یا تم چاہتی ہو یہاں سے جانے کے بعد میں پہلے کی طرح ہینڈ سم اور اسمارٹ نظر نہ آؤں؟“

میرا خفگی سے اتنا کہنا تھا کہ وہ بے اختیار ہنس دی۔

”نہیں ہمایوں! ایسی بات نہیں ہے۔ آپ ہی تو کہتے ہیں نا وہاں کے کھانوں میں آپ کو نور

النساء کے ہاتھ جیسا ذائقہ نہیں ملتا۔“

”ہوں۔۔۔ یہ بات تو سو فیصد سچ ہے۔“

میری مسکراہٹ گہری ہوئی تو وہ بھی بے اختیار مسکرا دی اور مجھے لگا جیسے پھول، ہوا، بادل اور چاند سمیت ہر شے مسکرا رہی ہو۔

اب کی بار مجھے یوں محسوس ہوا گویا میری چھٹیاں بھی اتنی ہی تیزی سے گزر گئی تھیں جیسے وقت پلک جھپکتے گزر جاتا ہے۔

مجھے ایک بار پھر برلن واپس جانا تھا اور اس بار میں نے سوچ لیا تھا کہ میں نور النساء کو اپنے پاس لے آؤں گا یا بہت جلد پاکستان میں اپنا کوئی کام شروع کر لوں گا۔ مگر اب اپنی فیملی سے دور رہنا میرے لیے بھی مشکل تھا۔ اور ان سے دور رہنا میرے لیے مزید مشکل جب ہوا۔ جب وہاں میرے بیٹے کی پیدائش ہوئی اور یہاں میں بے بس تھا۔ ایک باپ کی اپنی اولاد کے لیے محبت اور تڑپ کیا ہوتی ہے۔ یہ مجھے اب معلوم ہو رہا تھا جب میں خود اس عظیم رتبے پر فائز ہوا۔ مگر میں اس وقت فوری طور پہ پاکستان نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ ان دنوں ہماری کمپنی نقصان میں تھی اور ہماری یہاں شدید ضرورت تھی۔

میرے باس مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اور میرا دو سال تک جاب نہ چھوڑنے کا ان سے کانٹریکٹ سائن ہوا تھا۔ اگر میں درمیان میں یہ جاب چھوڑ دیتا تو ان کا اعتماد اور اپنی نوکری

دونوں سے بیک وقت ہاتھ دھو بیٹھتا۔

یہاں میں ایک طرف اپنے گھر والوں کی فکر میں گھلتا جا رہا تھا۔ اپنے والدین، نور النساء اور اپنے بیٹے کو یاد کر رہا تھا۔

وہیں دوسری طرف نیلم نے میرا جینا مزید دشوار کر دیا تھا۔ میں جتنا اس سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اتنا ہی میرا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

میں چاہتا تھا کہ وہ واصف سے شادی کر لے اور اس کے ساتھ ایک خوش و خرم زندگی گزارے۔ مگر وہ لڑکی کسی صورت یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

وہ آج پھر میرے آفس روم میں میرے سامنے کھڑی سرپا سوال تھی۔

”تم میری محبت کو کیوں نہیں سمجھتے ہمایوں؟“

یہ کہتے ہوئے نیلم کی آواز قدرے اونچی ہو گئی تھی۔

”بس نیلم! بہت ہو گیا، اور تم مزید کچھ بولنے سے پہلے یہ بات یاد رکھو کہ اب میں صرف ایک شوہر ہی نہیں بلکہ ایک بچے کا والد بھی ہوں۔ مجھ سے یہ فضول باتیں کرنے سے پہلے تمہیں

ہزار بار سوچنا چاہیے۔“

میں جب بولا تو لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

”کیا تمہاری بیوی مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟“

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

میں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ سیاہ جینز پہ سفید آدھے بازوؤں والی شرٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح ماڈرن لگ رہی تھی۔ مگر مجھے لڑکیوں کا ایسا لباس اور ایسا انداز ہمیشہ سے نا مناسب لگتے تھے۔ اور ایک طرف میری نور النساء تھی۔ آنکھوں میں اس کا عکس لہرایا تو میرے لب خود بخود مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

”ہاں وہ خوبصورت ہے اور بات خوبصورتی کی نہیں ہے۔ حیا اور وفا کی ہے، میری بیوی میرے لیے حیا کی ملکہ اور وفا کا پیکر ہے، بات اس اعتماد کی ہے جو میری بیوی کو مجھ پر ہے۔“
میں گہری سانس لے کر ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولا۔

”اوہ مسٹر ہمایوں! جب تمہاری بیوی تم پر اعتبار ہی نہیں کرے گی تو تم اس نام نہاد وفا کا کیا کرو گے؟“
”کیا مطلب؟“

میں نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے اس کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔
”مطلب یہ کہ تم دیکھنا۔۔۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ اعتبار کی ڈوری کتنی کمزور ہوتی ہے۔ پھر تمہیں میری محبت قبول کرنی ہی پڑے گی۔“

وہ اپنی بھیگی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے زخمی انداز میں مسکرائی۔
”تم خود کو اپنی اور میری نظروں میں اتنا مت گراؤ نیلیم کہ چاہ کر بھی دوبارہ کبھی اٹھ نہ سکو۔“

میں تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

میں مانتا ہوں کہ انسان کی پسند، ناپسند اور محبت اپنی جگہ۔ مگر اس لڑکی کی سوچ دیکھ کے مجھے شدید دکھ اور افسوس ہو رہا تھا۔

نیلیم جب میرے آفس روم سے چلی گئی تو چند لمحوں بعد واصف وہاں چلا آیا۔
”کیا ہوا دوست، تم مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہو؟“

واصف فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

”نہیں کچھ نہیں، بس میں اپنے گھر والوں کے لیے پریشان ہوں۔“

ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ میں واصف کو نیلیم کی ساری حقیقت بتا دوں۔ مگر میں نیلیم کو اس کی نظروں میں گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میرا بھائی جیسا دوست تھا۔ میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں استعفیٰ دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان چلا جاؤں گا تو یہاں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

”ہاں تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ ویسے بھی دو دن بعد کی فلائٹ سے تم پاکستان جا تو رہے ہو۔“ واصف مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہوں۔“

میں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلادیا۔

البتہ میری سوچوں کے دھاگے کہیں اور ہی اُلجھے تھے۔

میں آفس سے واپسی پر جب اپنے اپارٹمنٹ جا رہا تھا تو گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی تمام سوچیں گھوم رہی تھیں۔

میں جانتا تھا کہ نیلم نے واصف کو فون کرنے کے بہانے، دھوکے سے میرے موبائل سے میری بیوی نور النساء کا نمبر لے لیا تھا۔ میں تبھی سمجھ گیا تھا کہ اس کے دماغ میں کوئی شیطانی منصوبہ چل رہا ہے۔ ناجانے وہ نور النساء سے کیا کہنے والی تھی۔

جہاں ایک طرف میں فکر مند تھا۔ وہیں دوسری جانب مجھے یہ یقین تھا کہ میری نور مجھ پر اعتبار کرتی ہے۔ وہ کسی غیر لڑکی کی باتوں میں کبھی نہیں آئے گی۔

ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے سامنے سے آتی تیز رفتار گاڑی نظر نہ آئی اور پھر ایک زور دار ٹکر سے میری گاڑی اس سیاہ گاڑی سے جا ٹکرائی۔ میرا سر زور سے اسٹیئرنگ پہ جا لگا۔ گاڑی کا فرنٹ مرر زوردار چھنا کے کی آواز سے ٹوٹا تو اس کے کانچ کے ٹکڑے میرے ہاتھوں پہ چبھ گئے۔ میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں مگر میں محسوس کر سکتا تھا کہ خون میرے سر اور ہاتھوں سے تیزی سے بہہ رہا تھا۔

یہ حادثہ دیکھ کے میرے ارد گرد چند لوگ جمع ہونے لگے۔

جو آخری بات میرے ذہن میں تھی وہ یہ کہ آج ہی نور النساء سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ شدت سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

اور پھر ہر طرف اندھیرا چھانے لگا۔ میرا ذہن گہری تاریکی میں ڈوبنے لگا۔

اس واقعہ کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ ہمایوں کے آنے کی اب اسے کوئی امید نہیں تھی۔ امید ہوتی بھی کیسے جب اس نے دوبارہ کوئی رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔

وہ گھر کے سارے کام نپٹا کر اور آریان کو جھولے میں سُلانے کے بعد بے تاثر نگاہوں سے ہر دن کی طرح آج پھر آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھ کے اپنے آپ سے ہی شکوہ کناں تھی۔ تبھی اچانک اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔ ایک دم جیسے اسے اماں کی آواز نے جھنجھوڑا تھا۔

”نور النساء! میری بچی تم تو بہت صابر تھی۔ بچپن سے جو ملتا تھا، اسی پہ صبر شکر کر لیا کرتی تھی۔ پھر یہ بے صبری اور ناشکری کیوں؟ تم صبر کرو گی تو اللہ تمہیں انعام سے ضرور نوازے گا۔ مگر صبر یہ نہیں کہ اپنے دکھ اور غموں پہ شور مچایا اور رویا پیٹا جائے، پھر کہا جائے کہ ہم نے صبر کر لیا۔ بلکہ صبر تو خاموشی سے اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے کیا جاتا ہے صرف خالص اللہ کی رضا کے لیے۔“

اماں کی نرم لہجے میں کہی گئی باتیں اس کی سماعت میں گونج رہی تھیں۔
چند لمحوں بعد وہ وضو کر کے آئی اور تہجد کی نماز ادا کرنے لگی۔ سلام پھیر کے اس نے جوں

ہی ہاتھ اٹھائے، آنسو ایک بار پھر آنکھوں سے موتیوں کی صورت کرنے لگے۔
 ”یا اللہ! مجھے معاف کر دیں۔ میں مشکل وقت میں آپ سے مدد مانگنے کے بجائے مایوس ہونے لگی، صبر کرنے کے بجائے شکوہ کرنے لگی۔ جبکہ صبر کرنا تو میرے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔ پھر میں نے وقت پر صبر کی رسی کیوں نہیں تھام لی۔ کیوں میں ہمیشہ خود کو تنہا محسوس کرتی تھی۔ یہ بات جاننے کے باوجود کہ میرا اللہ ہر وقت میرے ساتھ موجود ہے۔ آپ تو کبھی ہمیں تنہا نہیں چھوڑتے اللہ۔ یہ تو ہم ہی ہیں جو آپ سے دور چلے جاتے ہیں اور پھر خود کو دنیا کی اس بھیڑ میں تنہا سمجھنے لگتے ہیں۔“

حضرت حواء علیہ السلام سے اسلام کے ظہور تک کئی نامور خواتین کا ذکر قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی میں موجود ہے۔ جن کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

عورت چاہے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر روپ میں قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے، جس کے بغیر کائنات کی ہر شے ماند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا محافظ اور سائبان بنایا ہے مگر عورت اپنی ذات میں ایک گھنے تناور درخت کی مانند مضبوط ہے، جو ہر قسم کے حالات کا بہادری سے مقابلہ کرتی ہے اسی عزم و ہمت، صبر اور استقامت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو اس کے قدموں تلے بچھادیا۔ بے شک عورت ہر روپ میں ہی اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔

”اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ دونوں طرح (خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا) حسین (گھر ہے“ ﴿سورة الرعد - ۲۲﴾

وہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں سر رکھ کے بے اختیار رونے لگی۔ جہاں واقعی اس کے بے قرار دل کو بہت سکون حاصل ہوا تھا۔

چند لمحے کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ پھر اچانک جھولے میں سوتے ہوئے آریان کے رونے کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

وہیں دوسری جانب کوئی کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ ان قدموں کی چاپ کو وہ بخوبی پہچانتی تھی۔

آریان کے رونے کی آواز اب بڑھتی جا رہی تھی اور وہیں وہ قدموں کی آواز بھی قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔

اس نے سجدے سے سر اٹھایا اور اپنے منہ پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر جائے نماز تہہ کر کے سامنے شیلف پر رکھی اور تیزی سے آریان کی جانب بڑھی۔ اس نے ایک نگاہ بھی آنے والے پر نہیں ڈالی تھی۔

قدموں کی آواز اب آنا بند ہو گئی تھی۔ مقابل اب جوتے اتار کر اس کی طرف آ رہا تھا۔

اسے اپنے کندھے پہ اس کا لمس محسوس ہوا تو وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے دھیرے سے پلٹی۔
”نور النساء!“

اس نے دھیمی آواز میں پکارا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔
”ہمایوں!“

وہ جو اس انجان نمبر سے آنے والے میسج اور تصویروں کے بعد اپنے شوہر سے شدید بدگمان ہو گئی تھی۔ وہ جو خود سے عہد کر رہی تھی اس کے آنے پہ وہ کمزور نہیں پڑے گی۔
اس کے ماتھے پہ بندھی سفید پٹی دیکھ کے تڑپ کر رہ گئی تھی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ ہمایوں کی پیشانی کو چھونے لگا، جہاں پٹی بندھی تھی۔

اس کے ماتھے سے ہوتے ہوئے اس کی نظریں اس کی ہتھیلی پہ پڑی، وہاں بھی سفید بینڈج لگی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ پہلے سے قدرے کمزور نظر آ رہا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوا؟“ BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ بے اختیار پوچھ اُٹھی۔

مگر ہمایوں جو ناجانے کب سے اپنی اولاد کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے روتے ہوئے آریان کو جھولے سے باہر نکال لیا اور اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

پہلی بار باپ کا لمس محسوس کرتے ہی آریان کا رونا جیسے اگلے ہی پل بند ہو گیا۔ وہ اپنی پوری

آنکھیں کھول کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ننھے لب مسکرا رہے تھے۔
یہ رشتے بھی کتنے خوبصورتے ہوتے ہیں نا۔ ان کی خوبصورتی اگر زباں سے بیان نہ کر سکتے ہوں
تو یہ دل سے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

”آریان آفریدی! میرا پیارا بیٹا۔“

اس نے ایک بار پھر شدت جذبات سے نم آنکھوں سمیت جھک کے دیوانہ وار اس کے ننھے
رخسار چومے تھے۔ وہ نیند میں لگ رہا تھا اس لیے ہمایوں نے اس کی نیند کا خیال کرتے ہوئے
اسے احتیاط سے جھولے میں واپس ڈال دیا۔

”نور! تم یہاں بیٹھو۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔“

”مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے ہمایوں! میں سب جانتی ہوں کہ آپ برلن کس کے لیے
گئے تھے اور اتنا عرصہ وہاں رہنے کی وجہ کیا تھی۔“
ناچاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس سے سخت لہجے میں بات نہیں
کر سکتی تھی۔

”میں پچھلے ہفتے ہی یہاں آنے والا تھا مگر۔۔۔“

وہ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہنے لگا۔ جب وہ نہایت سنجیدگی سے درمیان میں اس
کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

”مگر اس عورت کی وجہ سے آپ نہیں آئے؟“

”کون سی عورت۔۔ کیا تم نیلم کی بات کر رہی ہو؟ دیکھو تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔“

ہمایوں نے اسے سمجھانا چاہا۔ وہ اسے یہی حقیقت بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

”میں بہت تھک گئی ہوں ہمایوں، میں بس کچھ دیر سکون سے سونا چاہتی ہوں۔“

نور النساء گہری سانس لے کر بیڈ پہ بچھی چادر درست کرنے لگی تو ہمایوں بس اس کے اس بدلتے روپ کو خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ جو اس کی غیر موجودگی میں بھی ایک پل کے لیے اسے نہیں بھولتی تھی۔ آج وہ اس کی موجودگی میں اسے مکمل طور پہ نظر انداز کر رہی تھی۔

ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

شاید وہ سچ میں ان لوگوں سے بہت دور چلا گیا تھا۔ اپنی نور النساء سے بھی دور۔

اگلے ہی پل ہمایوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اور وہ بس خاموشی سے تا دیر کمرے کے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

تم مرے شہر میں آئے تو مجھے ایسا لگا
جوں تہی دامنوں کے ہاتھ خزانے لگ جائیں

”الحمد للہ! ہمارا ہمایوں واپس آگیا ہے۔ اب ہم سب ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔“
”بھائی کے آنے سے یہ گھر کتنا مکمل لگ رہا ہے نا۔“

میں صبح سے امی، ابو اور اپنی چھوٹی بہن ماہرہ سے ایسی بہت سی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سب میرے آنے پہ خوش اور مسرور تھے۔ ماہرہ بھی مجھ سے ملنے کل ہی اپنے سُسرال سے یہاں آگئی تھی۔ ان سب کے چہروں کی مسکراہٹ نے میرے اندر گویا ایک سکون اور اطمینان سا بھر دیا تھا۔ مگر مجھے سب سے زیادہ جس کے خوش ہونے کی امید تھی وہ تو شاید خود سے بھی روٹھی ہوئی تھی۔

آج مجھے پاکستان آئے دوسرا دن تھا۔ میں حیران تھا کہ نور النساء میرے سارے کام کر رہی تھی۔ مگر وہ مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہی تھی۔
ابھی وہ کمرے سے باہر گئی تھی کہ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔ میں نے اس کا فون اپنے ہاتھ میں لیا، مگر جب تک کال بند ہو چکی تھی۔

پھر اچانک کسی خیال کے تحت میں نے اس کا واٹس ایپ چیک کیا۔ وہاں ایک انجان نمبر سے پیغام اور کچھ تصاویر تھیں۔ میں اس نمبر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نیلم کا نمبر تھا۔

”اوہ! تو تم واقعی اس حد تک گر گئی نیلم۔“

میں زخمی انداز میں مسکرایا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ لڑکی ضرور کچھ غلط کرے گی۔ یقیناً نور النساء نے اس پیغام اور تصویروں کو سچ سمجھ لیا تھا اور وہ اس سے بدگمان ہو گئی تھی۔ مگر کیا ان دونوں کا رشتہ اتنا کمزور تھا کہ کوئی بھی ان کے درمیان شک کا بیج بوئے اور وہ اس بیج کو اس قدر بڑھنے دیں کہ وہ بدگمانی کی شکل اختیار کر لے؟ شوہر اور بیوی کا رشتہ اتنا کمزور تو نہیں ہوتا کہ آپ کسی شک کی بنیاد پر ایک دوسرے پر اعتبار کھو بیٹھیں۔

یہ رشتہ بھروسے، مان، اعتبار اور محبت کا ہوتا ہے۔ اعتبار کا تعلق قریب یا دور رہنے سے نہیں ہوتا۔ اگر آپ ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں تو پھر پاس یا دور رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک دوسرے پر بھروسے کا قائم رہنا ہی اس رشتے کو مضبوط بناتا ہے۔

اسی پل نور النساء کمرے میں داخل ہوئی اس نے ہلکے جامنی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید دوپٹہ شانوں پہ پھیلا ہوا تھا۔ گہرے بھورے، خوبصورت اور لمبے بال آدھے کھلے اور آدھے کچھڑ میں مقید تھے۔

میں ایک لمحے کے لیے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس سادگی میں بھی سیدھا میرے دل میں اتر رہی تھی۔

تبھی نور النساء کی نظر بے اختیار میرے ہاتھ میں پکڑے اپنے موبائل پر پڑی۔
 ”تمہاری امی کا فون تھا۔ مگر میرے اٹھانے سے پہلے ہی کال بند ہو گئی۔“ میں نور النساء کا موبائل اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔
 ”ہوں اچھا۔“

وہ فقط اتنا بولی اور چند قدم آگے بڑھ کے میرے ہاتھ سے اپنا موبائل لے لیا۔ ابھی وہ پلٹ کر جانے ہی لگی تھی کہ میں نے پیچھے سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا۔
 ”یہاں بیٹھ جاؤ نور النساء! میں یہاں اس لیے تو نہیں آیا کہ تمہاری یہ بے اعتباری برداشت کروں؟“

میری سیاہ آنکھوں میں گہرا دکھ ابھرا۔
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

نور النساء نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔
 ”میں نے تو سوچا تھا کہ جب میں آؤں گا تو مجھے تمہاری مسکراتی آنکھوں میں صرف میرا عکس نظر آئے گا، مگر مجھے تو یہاں اپنے لیے صرف اجنبیت اور بدگمانی نظر آرہی ہے۔“
 نور النساء نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

”کیا تم کبھی ایسا چاہتی تھی کہ تم نے جو ایک سال اور چند ماہ میرے بغیر گزارے۔ اب عمر

بھر میری بیوہ بن کر پوری زندگی گزارو؟“

نور النساء نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ اس کے گال آنسوؤں سے بھیگ رہے تھے۔

”اللہ نہ کرے۔۔۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ہمایوں؟“

وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر میرے نزدیک چلی آئی۔

”آپ۔۔۔ آپ چاہتے ہی نہیں ہیں ناکہ ہم کبھی ایک ساتھ رہیں؟“

وہ غم و غصے کے عالم میں نم آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں ایسا کیوں نہیں چاہوں گا نور النساء؟ تم میری بیوی ہو اور تم میرے لیے میری زندگی

میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔“

میں دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”میں کل سے تمہیں حقیقت بتانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر تم میری کوئی بات سننے کو تیار

ہی نہیں تھیں۔ میں نے تم سے کہا تھا ناکہ میں پچھلے ہفتے آ رہا ہوں؟ مگر جانتی ہو میں کیوں

نہیں آ سکا، کیونکہ میرا ایکسڈنٹ ہو گیا تھا۔ پھر مجھے وہاں سے ہسپتال لے جایا گیا۔ میرے سر

پہ گہری چوٹ لگی تھی اس لیے مجھے ہوش نہیں آ رہا تھا۔“

میں لمحے بھر کو رُکا اور گہری سانس بھری۔

نور النساء اب آہستگی سے بیڈ پہ میرے نزدیک ہی بیٹھ گئی تھی۔

بدگمانی اور غلط فہمی اپنی جگہ مگر وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کے دل نے بے اختیار کہا کہ اسے

کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار اس کی بات سن لینی چاہیے۔

”اس حادثے کے بعد جب مجھے گاڑی سے نکالا گیا تو میرا موبائل وہیں سڑک پہ کہیں گر گیا تھا۔ مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم مگر جب ہوش میں آنے کے بعد مجھے تم لوگوں سے رابطہ کرنے کا خیال آیا تو میرا موبائل میرے پاس نہیں تھا۔ پھر ڈاکٹر نے مجھے چند دن آرام کرنے کا کہا اور سفر کرنے کا سختی سے منع کر دیا۔ ورنہ میں اگلے ہی دن واپس آجاتا، یہ ایک ہفتہ میں نے کس اذیت سے گزارا ہے یہ میرا اللہ اور میں ہی جانتے ہیں۔“

وہ نم آنکھوں سے میرے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ میرے چہرے پہ تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔

کل تک جو نور النساء اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ آج اس کا دل چاہا کہ وہ بولتا رہے اور وہ بس خاموشی سے اسے سنتی رہی۔

ہمایوں کی آواز اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھی۔ وہ ہمیشہ اس کی آواز کے سحر میں کھو جایا کرتی تھی۔ مگر آج اس کی آواز میں اسے دکھ محسوس ہوا تھا۔

”اور اس ایکسیڈنٹ کی وجہ وہ تمام سوچیں تھیں جنہوں نے مجھے بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ یاد ہے میں نے تم سے اپنی ایک آفس کولیک کا ذکر کیا تھا جو میرے دوست واصف کی منگیتر بھی تھی؟“

”ہاں! مجھے یاد ہے۔“

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

”اس کا نام نیلم ہے، وہ مجھے پسند کرتی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔

مگر میرا خدا گواہ ہے کہ میں کبھی بذات خود اس نامحرم لڑکی کی طرف مائل نہیں ہوا۔“

پھر میں اسے نیلم کے بارے میں سب بتاتا چلا گیا۔

اس سب میں میری نیلم سے ہوئی آخری گفتگو کا بھی ذکر تھا۔

”نیلم ہماری کمپنی کی ایک بہت اچھی ایڈیٹر اور ڈیزائنر تھی۔ اس کے لیے یہ تصویریں ایڈیٹ

کرنا بہت آسان تھا، اس تصویر میں واصف، نیلم اور میں۔ ہم تینوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔

مگر اس نے تمہیں جو تصویریں بھیجیں، وہ صرف ہم دونوں کی تھیں۔“

میں کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کمرے میں لیمپ کی مدھم مدھم روشنی جگمگا رہی تھی۔ مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ ہمایوں کی

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

اور نور النساء ہمایوں سوچ رہی تھی کہ وہ جو یہ طے کیے بیٹھی تھی کہ وہ اس شخص کو معاف

نہیں کرے گی تو آج یہ حقیقت جاننے کے بعد وہ اسے کیسے معاف نہ کرے، جب اس کا کوئی

قصور ہی نہیں تھا تو وہ کیوں خود کو اور اسے سزا دینے چلی تھی؟

ہاں وہ مرد آج بھی اس کے دل میں پہلے دن کی طرح براجمان تھا۔

وہ ایک ایسا مرد تھا، جو ایک عورت کے اظہارِ محبت پر بھی اس کی طرف مائل نہیں ہوا تھا۔

جس نے خود کی اور اپنے نفس کی حفاظت کی تھی۔

دنیا میں ہزاروں اور لاکھوں لوگ اپنے کاروبار کے سلسلے میں اور ملازمت کے لیے باہر ملک یا دور دراز علاقوں میں جاتے ہیں، صرف اپنے خاندان کے بہترین مستقبل کے لیے۔ حلال رزق کمانے کے لیے انسان اگر دن رات محنت کرتا ہے تو اللہ اسے بہترین رزق کی صورت اس کا پھل بھی ضرور دیتا ہے۔

جو حرام کو چھوڑ کر حلال کی طرف بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

نور النساء نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ خود اس سے معافی مانگنے میں پہل کرے گی۔ رشتوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کر دینا اور اعتبار کی ڈوری کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہی اعلیٰ ظرف انسان کی نشانی ہے۔

”سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ضروری نہیں کہ اگر میں اتنا عرصہ باہر ملک میں تھا تو میں کسی بری عادت یا جرم میں ملوث تھا۔ میں ایسا مرد نہیں ہوں۔ میں ہمایوں ہوں، نور النساء کا ہمایوں۔“

اس نے ہمایوں کو کہتے سنا۔ نور النساء نے ایک بار پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ چمک رہا تھا۔ شاید... شاید وہ آنسو تھے۔ کیا وہ رو رہا تھا؟ ہمایوں کو یوں دیکھ کے نور النساء کا دل بے حد دُکھی ہوا تھا۔

”آئی ایم سوری ہمایوں! میں نے آپ پر شک کیا۔ مجھے آپ پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ شوہر اور بیوی کا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی عادت و اطوار کو نہ پہچان سکیں۔ ایک دوسرے پہ اعتماد نہ کر سکیں۔“

وہ بھیگی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں نے آپ کی دوری تو برداشت کر لی تھی۔ مگر جب میں نے وہ تصویریں دیکھیں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا، مجھے لگا جیسے ہمارے درمیان کوئی تیسرا آگیا ہے، اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہوگا۔ اب آپ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔“

وہ اب بے آواز رورہی تھی۔

”پلیز نور النساء! میں ویسے ہی تکلیف میں ہوں۔ تمہارا رونا مجھے مزید تکلیف دے گا۔“

میں اس کے سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا تو وہ سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔

ہم دونوں کی نم آنکھوں میں اب ایک دوسرے کا عکس

واضح نظر آرہا تھا۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ گویا دل کا میل بھی صاف ہو گیا تھا۔

من کے آئینے میں اب سب کچھ صاف اور شفاف نظر آنے لگا تھا۔

”ہم دونوں نے ایک دوسرے کو اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیا۔“

میں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر جیسے یقین دہانی چاہی۔

”تم نے بھی کر دیا نا مجھے معاف؟“

”ہاں، مگر اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی۔“

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

”اچھا ویسے ایک بات اور ہے، وہ یہ کہ میں اپنی نوکری چھوڑ کر اب ہمیشہ کے لیے پاکستان

آگیا ہوں۔“

”ہاں یہ بات تو میں جانتی ہوں۔“

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

”اور اب مجھے نئی نوکری تلاش کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔“

وہ گہری سانس بھر کر کہنے لگا۔

”بلکل۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کو جلد بہت اچھی نوکری مل جائے گی۔“

وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی اداس آنکھیں آج ستاروں کی مانند جگمگا رہی تھیں۔

”مگر جہاں میں نئی نوکری تلاش کروں گا ہو سکتا ہے وہاں بھی لڑکیاں ہوں اور۔۔۔“

میں ابھی مزید کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ سخت خفا نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

”ہمایوں!“

”دیکھو، اس معاملے میں تم اطمینان رکھو۔ کیونکہ ہمایوں آفریدی، نور النساء کے علاوہ کسی لڑکی

کو نہیں دیکھتا۔“

میں دلکشی سے مسکراتے ہوئے کہہ کر اپنے لفظوں سے اسے معتبر کر گیا تھا۔

”مگر کیا تم کچھ عرصے کے لیے مجھ جیسے بے روزگار شوہر کو قبول کر سکتی ہو؟“

میں نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں! سوچ سکتی ہوں۔“

اس نے ٹھوڑی پہ انگلی رکھے پُرسوچ انداز میں کہا اور پھر ہم دونوں دھیرے سے ہنس دیے۔

اس وقت اس کی ہنسی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ خوبصورت لگی تھی۔

اس دنیا میں کوئی بھی انسان ایک پرفیکٹ زندگی نہیں گزار رہا۔ زندگی کسی کی بھی مکمل طور پہ آسان نہیں ہوتی، اسے آسان بنانا پڑتا ہے۔ کبھی کسی کے غم بانٹ کر، کبھی اپنی خوشیاں بانٹ کر۔ کبھی صبر سے، کبھی شکر سے، زندگی کو آسان بنانا پڑتا ہے۔

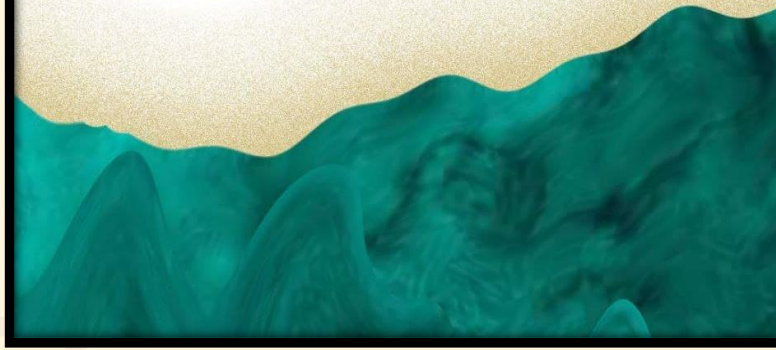
انسان اگر برائی کے راستے سے خود کی حفاظت کرتے ہوئے صبر اور استقامت کا راستہ اختیار کر لے تو اسے اس ”صبر“ کا صلہ ضرور ملتا ہے۔

جیسے مجھے اور نور النساء کو ہمارے صبر کا صلہ مل گیا تھا۔ بلاآخر ہمارا سفر اور انتظار اب اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔ آج ہم اپنی چھوٹی سی دنیا میں اپنے بیٹے آریان آفریدی کے ساتھ خوش، پُر سکون اور مطمئن تھے۔ شاید اسے ہی زندگی کہتے ہیں۔

ختم شد

پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین فتح



ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سیکم کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سیکم ! اور یہ نیا ادھر رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹنے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے ہوئے کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجہ ہٹا کر گئی۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ!!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے بلیٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک

ناول بھشت تک کی دیک جھلک

"معذرت کے ساتھ لیکن یہی حقیقت ہے بابا۔ میں ان سے مختلف ہوں۔ میرے خوابوں میں کبھی بریرہ نہیں تھی۔ ہمیشہ میری سوچ میرے خاندان سے شروع قوم پہ ختم ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ صالح ابراہیم گلاس وال سے سے باہر دیکھ رہے تھے۔ سورج کی کرنیں ان کے سینے پہ پڑ کے پلٹ رہی تھی۔ دل جیسے کسی نے جھلسا دیا ہو۔

"آپ رخصتی دے رہے ہیں۔ بابا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میرا وعدہ ہے میں یہ رشتہ نبھانے کی پوری کوشش کروں گی۔" وہ وعدہ کر گئی تھی۔ صالح ابراہیم کو یوں محسوس ہوا جیسے تپتے صحرا میں کسی شجر کا سایہ میسر آ گیا ہو۔

"لیکن بابا میں آئی ایم اے نہیں چھوڑ سکتی۔" اس کے اگلے جملے نے دوبارہ انہیں ساکت کر دیا تھا۔ وہ وعدہ کر گئی تھی اور سب جانتے تھے کہ بریرہ بنت صالح ہمیشہ وعدہ وفا کرتی ہے۔ پھر یہ ضد کیسی؟

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

عفراء اعظم

بھشت تک

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ سب مجھے اللہ نے دیا ہے۔ اور اسے میں نے اولاد کی طرح رکھا ہے۔ بابا یہ عمارت نہیں ہے میرے خوابوں کی بنیاد ہے۔ اس کی بنیاد میرے خون پسینے سے رکھی گئی ہے۔ اور اب میں اس سے کیسے دستبردار ہو جاؤں؟" وہ عین ان کے سامنے کھڑی سوال کر رہی تھی۔ اس کے لہجے میں عزم دیکھ کر صالح ابراہیم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کے سوال کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکے تھے۔ اس لمحے سرمئی آنکھوں کو دیکھ کر انہیں ادراک ہوا تھا۔ وہ واقعی ماہوش سے مختلف تھی۔ یکسر مختلف۔

"یہ سلطنت میری ہے، یہ "تخت" میرا ہے۔ میں ملکہ ہوں۔ ایسی ملکہ جو جان دے دیتی ہے لیکن تخت نہیں دیتی۔

"یہ سلطنت میری ہے، یہ "تخت" میرا ہے۔ میں ملکہ ہوں۔" اس نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ آج صالح کو اسے دیکھ کر کسی اور بریرہ کا گمان ہوا تھا۔

تھام کر احترام سے بوسہ دیا، اور پلٹ گئی۔ وہ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔ ساکت، صامت، شل۔

میز پر رکھا کھانا دھو رارہ کے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ آفس کی درودیوار یا سیت زدہ ہو گئی تھی۔ سفید دیواروں سے کچھ دیر پہلے کے الفاظ کی بازگشت گونج رہی تھی۔

"یہ سلطنت میری ہے، یہ "تخت" میرا ہے۔ میں ملکہ ہوں۔ ایسی ملکہ جو جان دے دیتی ہے لیکن تخت نہیں دیتی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں
کلک کریں۔

safareadab.com

"ایسی ملکہ جو جان دے دیتی ہے لیکن تخت نہیں دیتی۔" اس کے لہجے میں بغاوت بھانپ کر کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مصداق صالح ابراہیم شل رہ گئے تھے۔ بریرہ نے جھک کر ان کا دایاں ہاتھ

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب